قیامِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

قیامِ پاکستان اور ہماری ذمہ داریاں

(فرمودہ ۱۸؍مارچ ۱۹۴۸ء بمقام تھیوسافیکل ہال۔کراچی)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ کوثر کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسانی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ عام طور پر ان امور کی طرف زیادہ توجہ کرتا ہے جو یقینی ہوتے ہیں اور پھر جتنا جتنا اُس کا یقین بڑھتا جاتا ہے انسان کا عمل بھی ترقی کرتا جاتا ہے اور جتنا جتنا یقین کم ہوتا جاتا ہے انسان کا عمل بھی کم ہوتا چلا جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو خود سستی کرتے اور غفلت سے کام لیتے ہیں۔ ورنہ یقین ایک ایسی چیز ہے جس کا عمل کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے۔کوئی انسان دیدہ و دانستہ زہر کی پُڑیا نہیں کھاتا، کوئی انسان دیدہ و دانستہ سانپ کے بل میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا۔کوئی انسان دیدہ و دانستہ شیر کی کچھار میں نہیں جاتا۔کوئی انسان دیدہ و دانستہ اونچے مینار کی چوٹی سے اپنے آپ کو نہیں گراتا۔خودکشی کرنے والے کا معاملہ ایک انتہائی صورت رکھتا ہے کیونکہ وہ خود اپنے لئے موت چاہتا ہے۔ اِس کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی اور انسان جان بوجھ کر ایسا فعل نہیں کرتا جس سے اِس کی ہلاکت واقع ہو۔غلطی سے ایسا ہو جائے تو اور بات ہے۔مثلاً بعض لوگ ایسی چھت پر سوتے ہیں جس پر منڈیر نہیں ہوتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رات کے وقت وہ بعض دفعہ اچانک نیچے گر کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ دیہات میں عام طور پر مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر فرمایا ہے کہ ایسی چھت پر نہیں سونا چاہئے جس کی منڈیر نہ ہو۔[1] مگر چونکہ اس ہدایت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اِس لئے رات کے وقت بعض دفعہ جب وہ اپنی کسی ضرورت کے لئے اُٹھتے اور نیچے آنا چاہتے ہیں تو اندھیرے میں بجائے اس کے کہ جس طرف

سیڑھیاں اُترتی ہوں اُدھر جائیں وہ دوسری طرف چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ وہ سیڑھیاں اُتر رہے ہیں جب اپنا پاؤں نیچے رکھتے ہیں تو زمین پر گر جاتے اور بسا اوقات ہلاک ہو جاتے ہیں مگر بہرحال ایسا دیدہ ودانستہ نہیں ہوتا غلطی سے ہوتا ہے۔ اِسی طرح بعض دفعہ دشمن کھانے میں زہر ملا دیتا ہے اور انسان بے خبری میں اُسے کھا جاتا ہے اور مر جاتا ہے مگر یہ بھی دیدہ ودانستہ نہیں ہوتا غلطی سے ہوتا ہے۔ بہرحال یقینی طور پر جب کسی شخص کو علم ہو کہ فلاں چیز سے مجھے نقصان پہنچے گا تو وہ غلطی کا مرتکب نہیں ہوتا اور یہ بات انسانی زندگی میں ہم اتنی کثرت سے دیکھتے ہیں کہ اسے بطور اصل اور قانون کے پیش کیا جا سکتا ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف اعمال اور مختلف کاموں پر جب نگاہ دوڑائی جائے تو ہر عمل کم وبیش یقین کے ساتھ تعلق رکھتا نظر آتا ہے۔ مگر ایک چیز ایسی ہے جو ساری چیزوں سے زیادہ یقینی اور قطعی ہے مگر انسان کا معاملہ اِس کے متعلق بالکل عجیب ہے۔ وہ اس یقینی چیز سے نہ صرف یہ کہ متأثر نہیں ہوتا بلکہ غیر یقینی خیالات کو اس یقینی چیز پر ترجیح دے دیتا ہے۔ یہ یقینی اور قطعی چیز انسان کی موت ہے۔ کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں جو موت سے بچ سکا ہو۔ انسانوں میں سے سب سے بڑی ہستی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی لیکن آپ بھی ایک مدت تک دنیا میں کام کرنے کے بعد وفات پا گئے۔

مسلمانوں میں عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں لیکن احمدیہ جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا چکے ہیں اور وہ مسلمانوں کے اس عقیدہ کو غلط سمجھتے ہیں۔ گویا ایک ہی ہستی جس کو دیکھتے ہوئے یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید ہماری دُنیوی زندگی غیر محدود ہو جائے احمدیہ جماعت نے اِس ہستی کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ زندہ نہیں بلکہ وفات پا چکی ہے۔ اگر حضرت مسیحؑ زندہ ہوتے تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ جس طرح حضرت مسیحؑ اب تک زندہ ہیں اسی طرح شاید زید کی عمر بھی لمبی ہو جائے یا بکر کی عمر بھی لمبی ہو جائے مگر وہ ایک ہی شخص جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ موت سے بچ کر آسمان پر بیٹھا ہے اس کے متعلق بھی ہم نے قرآن کریم سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ عام انسانوں کی طرح وفات پا چکا ہے۔ گویا کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکے کہ انسان موت سے بچ سکتا ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ لوگ عام طور پر اس کے

متعلق غفلت اور بے توجہی سے کام لیتے ہیں۔ صرف یہی چیز ایسی ہے جو یقینی اور قطعی ہے مگر اس کے متعلق تیاری سب سے کم پائی جاتی ہے۔ شام کا کھانا عورتیں تیار کرتی ہیں، عصر کا ناشتہ عورتیں تیار کرتی ہیں، مگر ان میں سے نہ کھانے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ میں عصر تک زندہ رہوں گا یا نہیں اور نہ پکانے والی کو پتہ ہوتا ہے کہ وہ عصر تک زندہ بھی رہے گی یا نہیں۔ اس موہوم خیال پر کہ ہم عصر تک زندہ رہیں گے وہ عصر کے ناشتہ کے لئے تیاری کرتی ہیں اس موہوم خیال پر کہ ہم شام تک زندہ رہیں گے وہ شام کے کھانے کے لئے تیاری کرتی ہیں یا اس موہوم خیال پر کہ ہم اگلے سال تک زندہ رہیں گے لوگ سردی اور گرمی کے لئے کپڑے تیار کرتے ہیں۔ مشرقی پنجاب میں لاکھوں لاکھ مسلمان ایسا تھا جس نے سردی کے لئے کپڑے تیار کر رکھے تھے مگر ان کا کپڑا وہیں رہ گیا اور سکھوں کے کام آیا حالانکہ جس حد تک اُن کو یقین تھا وہ بھی قطعی نہیں تھا بلکہ مشتبہ تھا مگر ایک مشتبہ حالت میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اگلے سال کی سردیوں کے لئے کپڑے تیار کئے مگر اس یقین کے ہوتے ہوئے کہ ہر انسان نے ایک دن مرنا ہے اور ضرور مرنا ہے بہت سے انسان دنیا میں ایسے ہیں جو اپنے مرنے کیلئے کوئی تیاری نہیں کرتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ہر روز رات کے وقت آسمان سے اُترتے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ لَدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ [۲] اے انسانو! بچے جنو مگر اس لئے کہ وہ مریں اور مکان بناؤ مگر اس لئے کہ وہ ٹوٹیں اور خراب ہوں۔ یعنی ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے مرتا ہے اور ہر مکان جو بنایا جاتا ہے ٹوٹتا ہے لیکن اِس کے باوجود بچے پیدا کرنے کے متعلق لوگوں کی کوششوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ مکان بنانے کے متعلق لوگوں کی کوششوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ وہ بچے پیدا کرتے چلے جاتے ہیں، وہ مکان بناتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کبھی ان کو خیال تک نہیں آتا کہ ہم اِن بچوں کی ایسی تربیت کریں جن سے ان کی زندگی حقیقی زندگی کہلا سکے، کبھی ان کو خیال نہیں آتا کہ ہم مکان بنائیں تو اس لئے کہ ان میں خدا کا نام لیا جائے۔ آخر بچوں اور مکانوں کا حقیقی مدعا کیا ہے؟ وہی بچے انسان کیلئے برکت کا موجب ہو سکتے ہیں جن کا خدا سے تعلق ہو اور وہی مکان انسان کیلئے برکت کا موجب ہو سکتے ہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہو مگر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

دنوں کے بعد دن، ہفتوں کے بعد ہفتے اور سالوں کے بعد سال گزرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ ایک دن موت کا فرشتہ آجاتا اور انسان خالی ہاتھ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا جاتا ہے۔ مرنے والوں میں دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ لوگ بھی جو اللہ تعالیٰ کے پیارے ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو اللہ تعالیٰ سے دور ہوتے ہیں۔قرآن کریم میں آتا ہے کہ بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں تو فرشتے ان کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں لاؤ اپنی جانیں ہمارے سپرد کرو تا کہ ہم تمہیں دوزخ میں داخل کریں اور بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں تو فرشتے انہیں کہتے ہیں تمہیں بشارت ہو کہ تمہارا پیدا کرنے والا خدا تمہیں سلام بھیجتا ہے اور اس نے اپنی جنت کے دروازے تمہارے لئے کھول دیئے ہیں۔

غرض موت ایک قطعی اور یقینی چیز ہے۔اس کا تعلق عقیدہ سے نہیں کہ کہا جا سکے کہ فلاں کے عقیدہ میں موت قطعی ہے اور فلاں کے عقیدہ میں موت قطعی نہیں سب لوگ موت کے قائل ہیں اور پھر جو لوگ مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کو ایک نئی زندگی حاصل ہوگی اور وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ سے انعام یا سزا پائیں گے۔عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے ہندوؤں کا بھی یہی عقیدہ ہے اور مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے مگر میری مخاطب اِس وقت احمدی عورتیں ہیں۔ گو مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ دوسری خواتین بھی اس جلسہ میں تشریف لائی ہوئی ہیں لیکن بہرحال وہ بھی مسلمان ہیں اور ان کے اور ہمارے عقائد جہاں تک اسلامی اصول کا سوال ہے ایک ہی ہیں۔ وہ بھی قرآن کریم پر ایمان رکھتی ہیں اور ہم بھی قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کریم اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان کی اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد شروع ہوگی۔ یہ زندگی صرف تیاری کے لئے ہے اور ایسی ہی ہے جیسے بچے کو سکول میں بھیجا جاتا ہے۔کوئی بچہ سکول میں اس لئے داخل نہیں کیا جاتا کہ وہ ساری عمر سکول میں ہی رہے گا یا سکول سے فارغ ہونے کے بعد وہ کوئی کام نہیں کرے گا۔ ہر بچہ سکول میں اس لئے داخل کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے تیاری کرے اور آنے والے دَور میں وہ ایک کامیاب جرنیل ثابت ہو۔اسی طرح اگر مرنے کے بعد زندگی کوئی حقیقت رکھتی ہو تو ہمیں اپنے آپ کو مجبور کرنا چاہئے کہ ہم اس زندگی کو ایسا ہی سمجھیں جیسے سکول

کی زندگی ہوتی ہے اور یقین رکھیں کہ ہماری زندگی کا اصل دَور اُس وقت شروع ہوگا جب ہم مرجائیں گے۔ جیسے سکول میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی اصل زندگی اس وقت شروع ہوگی جب وہ تعلیم سے فارغ ہوجائے گا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کون انسان خدا تعالیٰ کا مقرب ہوسکتا ہے اور آپ کے سوا اور کون ہے جس نے اپنے عمل سے یہ ثابت کردیا ہو کہ وہ خدا کے لئے اپنی ہر چیز اور اپنے ہر جذبہ کو قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔ مگر باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس دن کے لئے اتنی تیاری کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں جب کہ آپ بوڑھے ہو چکے تھے اور ساٹھ سال سے زیادہ عمر تھی رات کو نماز کے لئے اُٹھتے تو اتنی اتنی دیر اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں سُوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ دیکھ کر رحم آتا۔ آخر ایک دن تنگ آکر میں نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ اپنی جان کو اتنا دکھ میں کیوں ڈالتے ہیں۔ آپ نماز میں کھڑے ہوتے اور عبادت کرتے ہیں تو اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے ہیں کہ آپ کے پاؤں سُوج جاتے ہیں اور آپ پر ضعف طاری ہوجاتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف نہیں کردیا؟ اور کیا خدا تعالیٰ نے آپ کو الہام کے ذریعہ نہیں کہہ دیا کہ میں تجھ پر راضی ہوں؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جواب میں کہا، عائشہ! ٹھیک ہے خدا نے مجھ پر بڑے بڑے فضل نازل کئے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ خدا نے میرے تمام قسم کے کاموں میں برکتیں رکھی ہیں۔ مگر اے عائشہؓ! جب خدا نے مجھ پر اتنا بڑا فضل نازل کیا ہے تو کیا میرا فرض نہیں کہ میں شکرگزار بندہ بنوں۔ عربی کے الفاظ یہ ہیں۔ اَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا [۳] اے عائشہؓ! کیا خدا کا ہی کام ہے کہ وہ محسن بنے بندے کا کام نہیں کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرے؟ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان بھی باوجود ان تمام قربانیوں کے جو آپ نے کیں، باوجود جذباتِ محبت کی اس فراوانی کے جو آپ خدا تعالیٰ کے متعلق رکھتے تھے پھر بھی اس بات کے محتاج تھے کہ راتوں کو اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں سُوج جاتے، دن کو عبادت کرتے اور اپنی زندگی کو زیادہ سے

زیادہ خدا تعالیٰ سے ملنے کے قابل بناتے تو اور کون انسان ہے جو اپنے آپ کو ان ذمہ داریوں سے مستغنی قرار دے سکے۔ میں آپ خواتین سے ہی پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اپنی زندگی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق بسر کر رہی ہیں؟ کیا آپ کہہ سکتی ہیں کہ آپ کی زندگی کے ایام زیادہ تر اُس اُخروی زندگی کی درستی کے لئے خرچ ہوتے ہیں جو حقیقی زندگی ہے؟ یا زیادہ تر ان کاموں کے لئے خرچ ہوتے ہیں جو دنیا کے کام ہیں؟

اسلام ان مذاہب میں سے نہیں جو رہبانیت سکھاتا ہو۔ قرآن کریم میں صاف طور پر لکھا ہے کہ رہبانیت کا اسلام میں حکم نہیں بلکہ عیسائی اور ہندو جن میں رہبانیت کی تعلیم پائی جاتی ہے ان کے متعلق بھی کہتا ہے کہ ہم نے انہیں رہبانیت کا حکم نہیں دیا تھا، انہوں نے اپنے طور پر اس کو شروع کر دیا۔[۴] بہرحال اسلام ان مذاہب میں سے ہے جو کہتے ہیں کہ بے شک دنیا کے کام کرو۔ اسلام اس بات سے نہیں روکتا کہ جن کو ضرورت ہو وہ نوکریاں کریں، اسلام اس بات سے روکتا نہیں کہ جن کو ضرورت ہو وہ تو تجارتیں کریں، اسلام اس بات سے روکتا نہیں کہ جن کو ضرورت ہو وہ صنعت و حرفت کریں، اسلام اس بات کا بھی حکم نہیں دیتا کہ عورت گھر کے کام کاج نہ کرے مگر وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ ہر چیز کو اُس کا درجہ دو۔ جس طرح ایک عورت بچہ کی پرورش کے وقت اس سے مستغنی نہیں ہو جاتی کہ وہ اور کوئی کام کرے۔ مثلاً اگر غریب ہے تو وہ کھانا تیار کرنے سے آزاد نہیں ہو جائے گی یا اگر آسودہ حال ہے تو وہ کھانا تیار کروانے سے آزاد نہیں ہو جائے گی یا بچے کی پرورش کی وجہ سے وہ ان ضرورتوں سے غافل نہیں ہو جائے گی جو اپنے رشتہ داروں سے میل جول اور اپنی سہیلیوں سے تعلقات رکھنے کے لحاظ سے اُس پر عائد ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی زندگیوں کو بالکل نمازوں میں لگا دو۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کی تمام ذمہ داریوں کو بھول جاؤ۔ اسلام نہ صرف ان کاموں کی اجازت دیتا ہے بلکہ ان کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور اتنا زور دیتا ہے کہ حضرت عائشہ نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! میرے پاس آج ایک غریب بدوی عورت آئی جس کے ساتھ اُس کی دو لڑکیاں تھیں۔ وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ایک لڑکی کو اُس نے اپنی دائیں طرف اور دوسری کو اپنی بائیں طرف بٹھا لیا اور مجھے کہا کہ کچھ کھانے کو ہے تو دو۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ہمارے گھر میں اس وقت کچھ بھی نہیں تھا لیکن میں تلاش کرنے کے لئے اُٹھی تو مجھے ایک کھجور مل گئی۔ میں نے وہی کھجور اُٹھا کر اُسے دے دی۔ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! عورت نے کھجور اپنے منہ میں ڈال لی اور میں نے سمجھا کہ وہ خود کھانے لگی ہے۔ مگر اس نے وہ کھجور خود نہیں کھائی بلکہ دانتوں سے اُس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ٹکڑہ اُس نے اپنی اُس لڑکی کو دے دیا جو دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی اور دوسرا ٹکڑہ اُس نے اُس لڑکی کو دے دیا جو بائیں طرف بیٹھی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا۔ عائشہؓ! خدا نے مجھے بتایا ہے کہ جس شخص کے ہاں دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو اپنی لڑکیوں سے محبت رکھنے اور اُن کی نیک تربیت کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی جنت اس کے لئے واجب کر دیتا ہے۔[۵]

تو دیکھو بچوں کا پالنا جو عورت کے جذبات کی چیز ہے وہ بھی ایک ثواب کی چیز بن گیا۔ بچوں کو کوئی ماں مذہبی احکام کی وجہ سے نہیں پالتی۔ اگر کوئی عورت دہریہ ہو تو تب بھی وہ اپنے بچوں کو پالتی ہے اور اگر فاسقہ فاجرہ ہو تو تب بھی وہ اپنے بچوں کو پالتی ہے۔ مگر یہ جو طبعی جذبہ ہے اس کے متعلق بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی عورت اپنی لڑکیوں کو پالتی اور انہیں ایک شریف شہری بنا دیتی ہے تو وہ جنت کی مستحق ہو جاتی ہے۔

غرض دُنیوی کاموں سے خدا تعالیٰ روکتا نہیں مگر جس چیز کا وہ حکم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کاموں میں سے کچھ وقت نکال کر ہم خدا تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی رضا کے کاموں میں صَرف کیا کریں۔ مثلاً سب سے مقدم چیز پانچ وقت کی نماز ہے جو اسلام نے مقرر کی ہے۔ اِس زمانہ میں سارے مرد بھی نمازیں نہیں پڑھتے عورتوں کی حالت تو اس سے بھی گری ہوتی ہے۔ بعض سمجھتی ہیں کہ سال میں اگر چند نمازیں بھی ان کو ادا کرنے کا موقع مل جائے تو ان کی بخشش کے لئے کافی ہے۔ بعض نے یہ ایک نیا مسئلہ ایجاد کر لیا ہے کہ جمعۃ الوداع ادا کرنے کا اگر کسی کو موقع مل جائے تو اس کی سارے سال کی نمازیں پوری ہو جاتی ہیں۔ بعض اس قسم کے وساوس میں مبتلا ہوتی ہیں کہ جب ہم نے پیر کی بیعت کر لی ہے تو قیامت کے دن وہی پیر ہمارا سارا بوجھ اٹھا لے گا ہم ہر قسم کے محاسبہ سے بچ جائیں گی۔

ہماری جماعت کے خلیفہ اوّل کی بہن ایک پیر کی مرید تھیں۔ ایک دفعہ بہن ملنے آئیں تو حضرت خلیفہ اوّل نے ان سے کہا کہ بہن! تم نمازوں میں بہت سست ہو، آخر تمہارا کیا بنے گا؟ اس نے کہا میں نے جس پیر کی بیعت کی ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اب چونکہ تم نے میری بیعت کر لی ہے اس لئے تمہارا ذمہ دار میں ہوں، تمہیں کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت خلیفہ اوّل نے اپنی بہن سے کہا بہن! اپنے پیر سے پوچھنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نے ہم سے پوچھا تو کیا جواب دیں گے؟ اس نے کہا اچھا اب میں اپنے پیر سے ملنے گئی تو اُن سے یہ بات ضرور دریافت کروں گی۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد وہ پھر آپ سے ملنے آئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ اپنے پیر سے تم نے وہ بات دریافت کی تھی؟ اُس نے بتایا کہ ہاں میں نے دریافت کی تھی۔ پھر اس نے سنایا کہ جب میں نے یہ بات دریافت کی کہ تو پہلے تو اُس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے یہ شرارت تجھے نورالدین نے سکھائی ہے مگر یاد رکھو تمہیں کسی فکر کی ضرورت نہیں۔ جب تم سے خدا سوال کرے گا تو میں کھڑا ہو کر کہہ دوں گا اِس کا میں ذمہ دار ہوں، اِس پر تم فوراً جنت میں چلی جانا۔ میں نے کہا پیر صاحب! آپ کی باری آئی تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اس پر کہنے لگے جب مجھ سے خدا پوچھے گا اور کہے گا کہ آؤ اور حساب دو تو میں جلال سے جواب دوں گا کہ کیا امام حسینؓ کی کربلا میں قربانی کافی نہیں تھی کہ اب ہمیں بھی دِق کیا جاتا ہے؟ اس پر فرشتے میرا راستہ بھی چھوڑ دیں گے اور میں بھی جنت میں چلا جاؤں گا۔

غرض مختلف قسم کے بہانے لوگوں نے ایجاد کر لئے ہیں تاکہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔ آخر کونسی دُنیوی ذمہ داریاں تھیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ دنیا کے تمام کاموں سے قریباً فارغ ہو کر دین کے کاموں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ وہ زمیندار تھے مگر بہت کم زمینداری کرتے تھے، وہ تاجر تھے مگر بہت کم تجارت کرتے تھے۔ سال میں چار پانچ لڑائیاں انہیں لڑنی پڑتی تھیں اور ایک ایک لڑائی کے لئے بعض دفعہ پندرہ پندرہ بیس بیس دن سفر کرنا پڑتا تھا۔ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کرنے والے صحابہؓ کون تھے؟ وہی تاجر اور وہی زمیندار تھے جن کی معاش کا دارومدار ہی تجارت اور زمینداری پر تھا مگر باوجود اس کے جب بھی خدا کی طرف سے آواز آتی تو وہ فوراً اپنے تمام

کاموں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے روانہ ہو جاتے ۔ جہاد پر اُن کو جتنا وقت صَرف کرنا پڑتا تھا اُس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سال میں ان کو چار پانچ لڑائیاں لڑنی پڑتی تھیں اور ہر لڑائی پر سفر سمیت دو تین ہفتہ یا اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ۔ اس سے تم سمجھ سکتی ہو کہ دنیا کے کاموں کے لئے ان کے پاس کتنا وقت بچتا تھا مگر باوجود اس کے کہ دنیا کی ذمہ داریاں ان پر بھی تھیں، ان کے بھی اہل وعیال تھے، اُن کی بھی بیویاں اور بچے تھے اور باوجود اس کے ان کا بہت سا وقت جبری طور پر لے لیا جاتا تھا پھر بھی وہ نماز روزہ کی پابندی میں لگے رہتے تھے ۔ مگر اور لوگ خواہ کچھ کریں میں احمدی خواتین سے کہتا ہوں کہ تم نے نئے سرے سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اسلام کو دوبارہ زندہ کریں گی ۔ اگر یہ عہد مؤمنانہ ہے منافقانہ نہیں تو تمہیں اس عہد کے مطابق اپنی ساری زندگی ڈھالنی پڑے گی ۔ اسلام پہلے ہی دشمنوں کی نگاہ میں زیر الزام ہے، اسلام پہلے ہی دشمنوں کے تیروں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، اسلام پہلے ہی ہزاروں قسم کے مطاعن اور اعتراضات کا ہدف بنا ہوا ہے، اگر تم نے بھی کمزوری دکھائی تو تم اسلام کو اور زیادہ بدنام کرنے والی بنو گی ۔ اگر تم واقعہ میں اسلامی تعلیم پر عمل نہیں کرسکتیں تو بجائے اس کے کہ تم اسلام کے لئے بدنامی کا موجب بنو تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم اس سلسلہ کو چھوڑ دو لیکن اگر واقعہ میں تمہیں یقین پیدا ہو چکا ہے کہ یہ سلسلہ سچا ہے اور تم رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی طور پر سمجھتی ہو کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی صداقت کو تم نے دیکھ لیا ہے اور سمجھ لیا ہے اور اس پر ایمان رکھنا تمہاری نجات کے لئے ضروری ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم سلسلہ کی بدنامی کا موجب نہ بنو، بلکہ اپنے ایمان اور اپنے عمل اور اپنی قربانیوں اور اپنی للّٰہیت کے ثبوت کے ساتھ اسلامی زندگی کا وہ نمونہ پیش کرو جس کو دیکھ کر ہر شخص اِس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے کہ اس کاروباری زمانہ میں بھی جب دین پر دنیا کو مقدم کیا جا رہا ہے، اسلام پر عمل کیا جا سکتا ہے اور اس کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسان کے لئے بوجھ کا رنگ رکھتا ہو۔

مجھے تعجب آتا ہے بعض ہندوستانی احمدیوں پر کہ انہیں سالہا سال اس سلسلہ میں شامل ہونے پر گزر گئے مگر ابھی تک وہ دینی احکام پر عمل کرنے میں سستی سے کام لیتے ہیں اور ان کی روحانیت پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہے ۔ اس کے مقابلہ میں بعض یورپین احمدی ایسے ہیں

جنہیں اس سلسلہ میں شامل ہوئے گو ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے مگر اس جوش اور اس اخلاص کے ساتھ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہیں کہ ان کو دیکھ کر انتہائی مسرت حاصل ہوتی ہے حالانکہ ہندوستانی احمدی اس ماحول میں نہیں رہتا جس ماحول میں ایک یورپین احمدی رہتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ وہ ایک ایسے ماحول میں رہتا ہے جو دینی روح سے کوسوں دور ہے پھر بھی وہ اسلامی حکم پر عمل کرنے میں مسابقت کی روح اپنے اندر رکھتا ہے۔ گزشتہ جنگ میں بشیر آرچرڈ ایک انگریز احمدی ہوئے۔ پہلے پہل جب وہ قادیان مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو اُس وقت اُن کے خیالات اِس قسم کے تھے کہ ''میں ایک نیا مذہب نکالوں گا۔'' انہوں نے بتایا کہ میں نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا ہے اور مجھے اس میں کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں اور میں نے ہندو مذہب کو دیکھا تو مجھے اس میں بھی کئی اچھی باتیں نظر آئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسا طریق نکالوں جس میں تمام اچھی باتوں کو جمع کیا جائے۔ میں انہیں سمجھاتا رہا مگر وہ یہی کہتے رہے کہ میری تسلی نہیں ہوئی۔ جب وہ یہاں سے چلے گئے تو کچھ عرصہ کے بعد مجھے ان کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کیا بات ہے، وہ تو کسی مذہب پر خوش نہ تھے۔ بعد میں وہ مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو انہوں نے تمام واقعات سنائے اور بتایا کہ یہاں رہ کر مجھے احساس نہیں ہوا کہ میں کس فضا میں اپنے دن گزارتا ہوں مگر جب یہاں سے گیا اور امرتسر پہنچا تو چونکہ قادیان میں سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تھی اِس لئے مجھے شراب پینے کا شوق تھا۔ وہاں بعض اور انگریز دوستوں کے ساتھ میں کھانے کے کمرہ میں گیا۔ انہوں نے بھی شراب کا آرڈر دیا اور میں نے بھی شراب کا آرڈر دیا مگر پھر مجھے خیال آیا کہ سات آٹھ دن میں نے شراب نہیں پی تو مجھے کچھ نہیں ہوا اگر کچھ دن اور بھی شراب چھوڑ کر دیکھوں تو کیا حرج ہے۔ چنانچہ میں نے شراب کا آرڈر منسوخ کر دیا۔ یہ پہلی تبدیلی تھی جو میرے اندر واقع ہوئی۔ اس کے بعد بھی میں برابر شراب سے بچتا رہا۔ فوج میں گیا تو وہاں میرے انگریز دوستوں نے مجھ سے تمسخر شروع کر دیا اور کہا کہ ہم دیکھیں گے کہ تم کب تک شراب نہیں پیو گے۔ اس سے میں اور زیادہ پختہ ہو گیا اور آخر رفتہ رفتہ میری ایسی حالت ہو گئی کہ مجھے شراب کی حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اس کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ یہ محض قادیان

جانے کی برکت ہے کہ شراب کی عادت جاتی رہی۔ پھر میں نے زیادہ سنجیدگی سے اسلام اور احمدیت کا مطالعہ کیا تو حقیقت مجھ پر کھل گئی اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہاں سے ان کی راولپنڈی تبدیلی ہوگئی وہاں بھی انگریز اُن کو برابر تنگ کرتے اور قسم قسم کی تدابیر سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ اسلام پر زیادہ سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہوتے چلے گئے نمازیں اُنہوں نے باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دیں اور داڑھی بھی رکھ لی۔ اس پر انگریز اُنہیں اور زیادہ تنگ کرتے، کبھی نماز پر تمسخر شروع کر دیتے یا کبھی داڑھی پر اعتراض کرتے کبھی کھانے پر جھگڑا شروع کر دیتے۔ آخر انہوں نے ملازمت چھوڑ دی اور اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی۔ اب وہ انگلستان میں اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں اور محض روٹی کپڑا اُن کو دیا جاتا ہے۔ اس شخص کی حالت یہ ہے کہ یہ باقاعدہ تہجد پڑھتا ہے۔ نمازیں باجماعت ادا کرتا ہے۔ لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے منہ پر داڑھی رکھتا ہے اور اس کی شکل دیکھ کر سوائے چہرہ کے رنگ کے کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ یہ انگریز ہے بلکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ یہ بہت پُرانا مسلمان ہے۔ اگر یورپ کا رہنے والا ایک شخص اپنے اندر اتنا تغیر پیدا کر سکتا ہے کہ وہ نمازوں کا پابند ہو جاتا ہے، تہجد ادا کرتا ہے اور تمام شعائر اسلامی کو خوشی کے ساتھ اختیار کرتا ہے تو ہندوستان یا کسی اور ملک کا رہنے والا کیوں ان باتوں پر عمل نہیں کر سکتا۔

یورپین زندگی ایسی ہے جس میں چاروں طرف مادیت کا غلبہ ہے۔ اگر ایسے ماحول میں رہتے ہوئے یورپ کے لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں تو ہندوستان کی عورتیں اپنے اندر کیوں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتیں یا ہندوستان کے مرد اپنے اندر کیوں تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے؟ میرے نزدیک یہ غفلت محض ارادہ کی کمی کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی موت کو بھول جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اکثر انسان یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں یا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جب ہم نے اپنی زبان سے اسلام قبول کر لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ ہم محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ہم نے بڑا بھاری احسان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کر دیا ہے اور اب جنت ہمارے لئے واجب ہو چکی ہے۔ اس قسم کے بہانے

ہیں جن کی آڑ میں وہ اسلامی احکام پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں مگر میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ان بہانوں کا کوئی فائدہ نہیں سچا انسان وہی ہوتا ہے جو اپنے قول کا پاس کرتا ہے۔ جب ایک مرد اور ایک عورت کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ اِس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جو کچھ قرآن مجید حکم دے گا ہم اُسے مانیں گے اور جن باتوں سے قرآن روکے گا ان سے رُکیں گے۔ یہ عہد ہے جو ہر مسلمان کرتا ہے مگر کتنے ہیں جو اس عہد کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ کیا دنیا میں کوئی بھی ملازم ایسا ہوسکتا ہے جو اپنے عہد کی خلاف ورزی کرے اور پھر اس کا آقا اور مالک اس سے خوش رہے۔ ایک چھوٹے سے چھوٹا نقص بھی اگر آقا دیکھ لیتا ہے تو وہ ملازم کو سخت تنبیہہ کرتا ہے پھر مسلمان یہ کس طرح امید کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی بھی کرتے رہیں اور اسکی ناراضگی سے بھی بچے رہیں۔

ایک مشہور تاریخی واقعہ مجھے یاد آ گیا۔ حضرت جنیدؒ بغدادی کے ایک شاگرد تھے جو عالَم اسلامی میں خود بھی بہت بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ وہ ایک بڑے خاندان کے فرد اور حکومت وقت کی طرف سے ایک صوبہ کے گورنر مقرر تھے مگر سخت ظالم اور سفاک انسان تھے۔ اتنے ظالم کہ سارا علاقہ اُن کے ظلموں سے چلا اٹھا۔ ایک دفعہ وہ بادشاہ کے دربار میں حاضر تھے کہ ایک جرنیل بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ اُن دنوں ایران کی مہم درپیش تھی اور بغدادی لشکر کو فتح حاصل ہوئی تھی۔ بادشاہ نے اُس جرنیل کو عزت افزائی کے لئے بُلوایا تا کہ ایک ایسا ملک جو سالہا سال تک حکومت کے لئے کانٹا بنا رہا تھا اس کے فتح کرنے پر اُسے خلعت دے اور انعام سے سرفراز کرے۔ جب جرنیل بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بدقسمتی سے وہ رومال لانا بھول گیا۔ اُس روز اُسے نزلہ کی شکایت تھی۔ عین اُس وقت جب بادشاہ نے اُسے خلعت پیش کیا اور وہ خلعت پہن کر بادشاہ کے سلام کے لئے آگے بڑھا اُسے چھینک آئی اور ناک میں سے فضلہ بہہ پڑا۔ اُس نے جیب ٹٹولی تو پتہ لگا کہ رومال نہیں۔ اِس پر اُس نے آنکھ بچا کر اُس خلعت کے دامن سے ہی اپنا ناک پونچھ لیا۔ بدقسمتی سے بادشاہ کی نظر اس پر جا پڑی جونہی اُس نے دیکھا کہ جرنیل نے اُس کی عطا کردہ خلعت سے ناک پونچھا ہے وہ آگ بگولہ ہوگیا۔ اس نے نہایت غصہ سے کہا کہ اس جرنیل نے ہماری خلعت کی ہتک کی ہے خلعت اُتار لو اور اسے ذلیل کر کے

ہمارے دربار میں سے نکال دو۔ اُس وقت شبلی بھی دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی انہوں نے یہ بات سنی ان کی چیخیں نکل گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ تم کیوں روتے ہو؟ شبلی نے کھڑے ہوکر کہا۔حضور میرا استعفیٰ منظور فرمالیجئے اب میں ملازمت کے لئے تیار نہیں۔ بادشاہ نے انہیں بہت سمجھایا مگر انہوں نے کہا میں اب یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے کہا آخر وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا وجہ یہ ہے کہ یہ جرنیل جو آج آپ کے سامنے پیش ہوا اس نے آپ کی بادشاہت کے استحکام کے لئے کس قدر کوششیں کیں تھیں۔ یہ شخص سال بھر لڑائیاں لڑتا رہا۔ ہر صبح جب اس کی بیوی اُٹھتی تو وہ سمجھتی تھی کہ شاید آج میں بیوہ ہو جاؤں گی اور ہر شام جب وہ سوتی تو دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوتی اور خیال کرتی کہ جب میں صبح اُٹھوں گی تو شاید میری بیوگی کی خبر آجائے گی۔اس کے بچے بھی ہر صبح یہی خیال کرتے تھے کہ شاید آج ہم یتیم ہو جائیں گے اور ہر شام اس خیال سے سوتے تھے کہ شاید صبح جب طلوع ہوئی تو ہمیں اطلاع ملے گی کہ آج سے تم یتیم ہو گئے ہو۔اتنی بڑی قربانیوں کے بعد جب یہ شخص واپس آیا تو آپ نے اسے عزت افزائی کے طور پر کچھ کپڑے دیئے مگر ایک ایسی مرض کی وجہ سے جو اس کے اپنے اختیار میں نہ تھی اسے چھینک آئی فضلہ بہہ پڑا اور چونکہ رومال لانا اُسے یاد نہ رہا تھا اُس نے خلعت سے ہی ناک پونچھ لیا اس پر آپ کو غصہ آیا اور آپ نے اِس کی اس حرکت کو اس قدر ناپسند کیا کہ اس کا خلعت اُتروالیا محض اس لئے کہ اس نے خلعت کا ناجائز استعمال کیوں کیا ہے۔ یہ کہہ کر ان کی پھر چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے روتے ہوئے کہا اے بادشاہ! مجھے خدا نے ایک خلعت بخشا ہے۔ مجھے بھی اس نے انسانیت دی۔ مجھے بھی اس نے عقل دی، مجھے بھی اس نے کان، ناک، آنکھیں، منہ، زبان اور دوسرے اعضاء دیئے۔اس جرنیل کو تو یہ خلعت اتنی بڑی خدمت کے بعد ملا تھا مگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی خدمت اور بغیر کسی قربانی کے یہ خلعت دیا۔ پھر اس نے تو صرف ناک پونچھا تھا میں نے تو اس خلعت کو اتنا خراب کیا ہے وہ اب پہچانا تک نہیں جاتا اس لئے میں حیران ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گا تو میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ میں اب حقیقت کو سمجھ چکا ہوں میں ملازمت کرنے کے لئے تیار نہیں، میرا استعفیٰ منظور فرمالیا جائے۔اس کے بعد شبلی مختلف بزرگوں کے پاس گئے اور کہا کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں مگر وہ اپنے

مظالم میں اتنے مشہور تھے کہ ہر شخص جس کے پاس وہ جاتے وہ انہیں کہتا کہ تمہارے جیسے آدمی کی توبہ کہاں قبول ہوسکتی ہے۔ آخر وہ حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس گئے جو صوفیاء کے آباء سمجھے جاتے ہیں اور ان سے کہا کہ میں آپکی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں توبہ کا راستہ ہر ایک کے لئے کھلا ہے مگر ایک شرط تمہیں ماننی پڑے گی تا کہ پتہ لگے تم سچے دل سے توبہ کر رہے ہو یا صرف ظاہری طور پر۔ انہوں نے کہا کہ آپ شرط بیان کریں مجھے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا شرط یہ ہے کہ تم جس جگہ گورنر رہے ہو وہاں جاؤ اور ایک ایک دروازہ پر دستک دے کر کہو کہ میں اپنے مظالم کی تم سے معافی مانگتا ہوں تا کہ پتہ لگے کہ تم تائبانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو۔ شبلی نے کہا بیشک مجھے منظور ہے چنانچہ وہ گئے اور جس جگہ وہ گورنر رہے تھے اس جگہ کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک تمام لوگوں سے یہاں تک کہ غلاموں اور چوہڑوں اور چماروں تک سے بھی انہوں نے معافی مانگی۔ ہر ایک کے دروازہ پر دستک دیتے اور کہتے میں تم سے عاجزانہ معافی مانگتا ہوں میں نے بڑے بڑے ظلم کئے ہیں مگر اب میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں جس سے میں ان مظالم کا ازالہ کرسکوں۔ میں عاجزی اور لجاجت سے معافی مانگتا ہوں اور اپنے قصوروں پر سخت نادم اور شرمندہ ہوں۔ جب وہ ایک ایک شخص سے معافی مانگ کر واپس گئے تب حضرت جنیدؒ بغدادی نے ان کی بیعت قبول کی اور پھر انہوں نے اتنی ترقی کی کہ خود بھی ایک بہت بڑے پایہ کے بزرگ بن گئے۔[۶]

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خلعت ہمیں عطا کیا گیا ہے ہمیں اس کے متعلق ہمیشہ یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ جب ہم خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہوئے تو ہمیں اس کے متعلق جواب دینا پڑے گا۔ آخر دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو اسلام سچا ہے یا جھوٹا۔ اگر اسلام سچا مذہب ہے اور اگر مرنے کے بعد ایک زندگی ہمیں ضرور حاصل ہوگی اور اگر یہ سچ ہے کہ مؤمنوں کو جناتِ عدن عطا کئے جائیں گے تو پچاس ساٹھ سالہ دُنیوی زندگی کے لئے جو شخص کوشش کرتا ہے کیا وجہ ہے کہ اگر اسے مرنے کے بعد کی زندگی پر بھی ایسا ہی یقین ہے تو اس کے لئے دُنیوی زندگی سے ہزاروں گنے زیادہ کوشش نہیں کرتا۔ اگلی زندگی کو اچھا بنانے کے لئے اگر یہاں کسی کو

تکلیف بھی برداشت کرنی پڑے تو اگلی زندگی کے مقابلہ میں اس دنیا کی زندگی کی حقیقت ہی کیا ہے۔ وہ ایک نہ ختم ہونے والی زندگی ہے اور یہ زندگی زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ یا سٹر اسّی سال تک چلی جاتی ہے۔ یہ زندگی تو اس کے مقابلہ میں اتنی بھی حقیقت نہیں رکھتی جتنی پچاس ساٹھ سالہ زندگی کے مقابلہ میں ایک منٹ کی حیثیت ہوتی ہے۔ کیا دنیا میں کوئی بھی انسان ایک منٹ کی تکلیف پر گھبراتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب اسے یقین ہو کہ ایک منٹ کے بعد مجھے ساری عمر اور کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ پھر وہ انسان کیسا انسان ہے جو اس دنیا کی تکالیف کو اہمیت دیتا اور اگلے جہان کی زندگی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو مرنے کے بعد حاصل ہونے والی زندگی پر پورا یقین نہیں ہوتا۔ وہ منہ سے اس زندگی کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا عمل بتا رہا ہوتا ہے کہ وہ اس زندگی پر قطعاً ایمان نہیں رکھتے اسی لئے ان کی نگاہ میں اعمال بالکل حقیر ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ موقع مل گیا تو عمل کر لیا ورنہ خدا بڑا معاف کرنے والا ہے وہ ہمارے قصوروں کو ضرور معاف کر دیگا۔ اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارا خدا معاف کرنے والا ہے مگر ہمارا خدا ایمان برباد کرنے والا نہیں۔ یہ ایمان برباد کرنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر تو عمل نہ کیا جائے اور اسکے عفو پر یقین رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بالصراحت فرمایا ہے کہ مؤمنوں کو مرنے کے بعد خدا تعالیٰ کی زیارت حاصل ہوگی۔ مگر فرماتا ہے اس نظر کے لئے دنیا میں آنکھیں تیار ہوں گی یعنی اس دنیا کے نیک اعمال مؤمن کو ایسی بینائی بخشیں گے جس سے اسے خدا تعالیٰ نظر آ جائے گا۔ پس معافی کا سوال نہیں سوال ان آنکھوں کا ہے جن سے خدا نظر آتا ہے۔ اگر کسی کے پاس ایسی آنکھیں ہی نہیں جن سے خدا نظر آ سکے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى [۷] جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص دنیا میں ظاہری آنکھوں کے لحاظ سے نابینا ہوگا اور وہ اگلے جہان میں بھی نابینا ہوگا۔ یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے کہ اس جہان میں بھی ایک شخص کو اندھا رکھا جائے اور اگلے جہان میں بھی اُسے اندھا رکھا جائے۔ اس کے معنی یہی ہیں کہ جو شخص اِس جہان

میں دینی نظر پیدا نہیں کرے گا اُسے اگلے جہان میں بھی خدا کی رؤیت حاصل نہیں ہوگی اور خدا کی رؤیت اتنی اہم چیز ہے کہ اگر خدا کسی مؤمن سے یہ کہہ دے کہ میں تجھے جنت میں تو داخل کر دیتا ہوں لیکن میری رؤیت اور میرا دیدار تجھے حاصل نہیں ہوگا تو وہ ایسی جنت کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک جنت کیا اگر دس ہزار جنت بھی کسی کو دے دی جائے مگر اللہ تعالیٰ کا دیدار اور رؤیت اسے حاصل نہ ہو تو وہ ان جنتوں میں ایک لحظہ کے لئے بھی رہنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ اصل چیز تو محبوب کی ملاقات ہوتی ہے، اگر محبوب کی ملاقات کسی کو میسر نہ ہو تو بڑے بڑے محلات اور نرم نرم بستروں کو لے کر اُس نے کیا کرنا ہے۔ کیا کسی عورت سے یہ کہا جائے کہ ہم تیرے بچے کو تو قتل کر دیتے ہیں مگر تجھے رہائش کے لئے ایک عظیم الشان محل دے دیں گے تو وہ اپنے بچے کے قتل کروانے کے لئے تیار ہو جائے گی؟ کوئی عورت اپنے بچے کے قتل پر دنیا کے سب سے بڑے محل میں بھی رہنے کے لئے تیار نہیں ہوسکتی۔ پھر وہ مؤمن کیسا مؤمن ہے جو کہتا ہے کہ میرا خدا خواہ مجھے نظر نہ آئے، مجھے جنت میں داخل کر دے۔ میں تو سمجھتا ہوں ایسی حالت میں اسے اگر جنت کی انتہائی چوٹیوں پر بھی بٹھا دیا جائے تو وہ اس جنت پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔ وہ کہے گا میرا خدا مجھے مل جائے چاہے مجھے جہنم میں پھینک دے۔

اس کے بعد میں آپ کو اس سورۃ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو ابھی میں نے پڑھی ہے۔ یہ ایک مختصر سی سورۃ ہے مگر وسیع مضامین پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ [8] اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے کوثر عنایت کیا ہے۔ کوثر کے معنی ہوتے ہیں وسعت کے اور کوثر کے معنی ہوتے ہیں کَثْرَۃٌ کے۔ گویا اس کے معنی بہت وسیع یا اکثر لوگوں کے ہیں۔ اکثریت کا لفظ جو اردو میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے اسی کوثر میں سے نکلا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ! اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے وسعت عطا فرمائی ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ [9] پس تو خدا کے حضور دعائیں کر اور قربانیاں پیش کر۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ [10] تیرا دشمن ہی ابتر رہے گا۔ ابتر کے معنی ہوتے ہیں جس کی نرنیہ اولاد نہ ہو۔ اس آیت کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوثر ایک چشمہ ہے جو جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا اور

وَانْحَرْ کے معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی قربانیاں کر دیں اِس خوشی میں کہ آپ کو جنت میں کوثر عطا ہوگا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ جنت میں ایک چشمہ ہوگا جس کا نام کوثر ہوگا۔[11] مگر سوال یہ ہے کہ یہاں جو کوثر کا لفظ ہے اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ ہمیشہ مضمون کے سیاق وسباق سے انسان سمجھا کرتا ہے کہ کسی لفظ کے کیا معنی ہیں۔ مثلاً اردو میں ٹکٹ کا لفظ بولا جاتا ہے ٹکٹ ڈاک کا بھی ہوتا ہے ریل کا بھی ہوتا ہے عدالت کا بھی ہوتا ہے اور تا گے کا بھی ہوتا ہے۔ گویا لفظ تو ایک ہے مگر چار مختلف معنوں پر استعمال ہوتا ہے اگر ڈاکخانہ کے سامنے کھڑے ہو کر کوئی شخص کہے کہ مجھے ایک آنے کا ٹکٹ دے دو اور کلرک اُسے پلیٹ فارم کا ٹکٹ دے دے تو تم اُسے کیسا نا معقول انسان سمجھو گے۔ یا ریلوے اسٹیشن پر جا کر کوئی شخص ٹکٹ مانگے اور کلرک اسے لفافوں پر لگانے والا ٹکٹ دیدے تو ہر شخص اُسے احمق قرار دے گا۔ یا تم بساطی کی دُکان پر جاتی ہو اور کہتی ہو کہ ٹکٹ دے دو تو اگر وہ تا گا کے ٹکٹ کی بجائے تمہیں عدالتی ٹکٹ دے دے تو تم اس کی حماقت پر مسکراؤ گی۔ اسی طرح کوثر کے بے شک یہ بھی معنی ہیں اور حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چشمہ عطا کیا جائے گا جس کا نام کوثر ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس آیت میں کونسے معنے لگتے ہیں۔ یہاں الفاظ یہ ہیں کہ اے رسول! ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے اس لئے تُو دعائیں کر اور قربانیاں کر، تیرا دشمن لَاوَلَد رہے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ قیامت میں ملنے والے کوثر سے دشمن کے لَاوَلَد رہنے کا کیا تعلق ہے یا اگلے جہاں میں کوثر ملنے پر اس جہان میں اونٹ ذبح کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ پھر تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوثر ملنے کی خوشی میں اونٹ ذبح کئے ہوں۔ بے شک چشمۂ کوثر والی بات ٹھیک ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس آیت میں جس کوثر کا ذکر آتا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ جو معنی عام طور پر کئے جاتے ہیں اس سے آیات کا جوڑ آپس میں ملتا ہی نہیں۔ یہ بالکل اَن ملی اور بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے اور کسی معمولی عقل والے انسان کی طرف بھی منسوب نہیں کی جاسکتی کجا یہ کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے کہ اے محمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کے دن تجھے حوضِ کوثر ملے گا۔ تو اونٹ کی قربانی کر، تیرا دشمن لَاوَلَـــد رہے گا۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں ''ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ'' نہ پہلی بات کا دوسری سے تعلق ہے نہ دوسری کا تیسری سے تعلق ہے اور نہ ساری باتیں آپس میں مل کر کوئی مفہوم پیدا کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ کوثر کے یہ معنی ہی نہیں بلکہ اس جگہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتا ہے کہ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تجھے ہر کام میں وسعت بخشی ہے ہم تمہاری جماعت کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہاری تعلیم کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہاری روحانی برکات کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہارے جسمانی رُعب کو بھی بڑھائیں گے، ہم تمہارے نفوس اور اموال میں بھی برکت دیں گے اور یہ تمام ترقیات تجھے عطا کرتے چلے جائیں گے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ لیکن یاد رکھو جب کسی شخص کو اِس طرح وُسعت ملتی ہے دنیا میں اس کے حاسد بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب بھی کسی کو عزت ملے گی، جب بھی کسی کو رُتبہ ملے گا اُس کے حاسد ضرور پیدا ہو جائیں گے اور یہ ایک ایسا قانون ہے جو ہمیں تمام دنیا میں نظر آتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ترقیات کا ذکر کرتے ہی فرمایا کہ جب تجھے ایسا مقام حاصل ہوگا تیری تعلیم بھی برتر ہوگی، تیرا عمل بھی برتر ہوگا، تیری جماعت بھی برتر ہوگی اور ہر روز تجھے ہماری طرف سے ترقیات پر ترقیات حاصل ہوتی چلی جائیں گی تو تیرے اِردگرد کے رہنے والے اور رشتہ دار تجھ پر حسد کریں گے اور وہ سمجھیں گے کہ اب یہ ہمیں کھانے لگا ہے، ہمیں اس کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ ان حاسدوں کا علاج یہ ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ تُو خدا سے دعائیں کر کہ وہ ان حاسدوں کے حسد سے تجھے بچائے۔ چنانچہ اسی وجہ سے دوسرے مقام پر قرآن کریم نے یہ دعا سکھلا دی کہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ [۱۲] گویا فَصَلِّ لِرَبِّكَ میں تو حاسدوں کے حسد کرنے سے بچنے کیلئے صرف دعا کرنے کی تعلیم دی گئی تھی اور سورۃ فلق میں وہ دعا سکھا بھی دی جو ان کے حسد سے بچنے کے لئے ضروری تھی۔

اس کے بعد فرماتا ہے وَانْحَرْ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو قربانی کر۔ یہاں

نحر سے اونٹ کی قربانی مراد نہیں بلکہ اپنی اور صحابہؓ کی قربانی پیش کرنا مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ صرف دعائیں کر بلکہ اپنی اور اپنے صحابہؓ کی قربانی بھی پیش کر کیونکہ جس اعلیٰ مقصد کے لئے تُو کھڑا ہوا ہے شیطان اُسے کبھی بھی آسانی کے ساتھ پورا نہیں ہونے دے گا۔ دشمن پورا زور لگائے گا کہ ہم نے جو کوثر تجھے بخشا ہے اس میں تُو ناکام رہے اس لئے تیرا کام یہ ہے کہ تُو جس طرح انسان بکرے یا اونٹ یا گائے کی قربانی سے نہیں ڈرتا اسی طرح تُو بھی اس راہ میں نڈر ہو کر اپنی قربانی کو پیش کر اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے صحابہ کی قربانی بھی پیش کر۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ اگر تُو اس طرح قربانی کرتا چلا جائے گا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دشمن جو آج تجھے مٹانے کی کوشش کر رہا ہے خود مٹ جائے گا اور بجائے اسکے کہ تجھے نابود کرے اور خود نابود ہو جائے گا۔

دیکھو یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو آپس میں ملتی ہیں اور ان معنوں کے رو سے اس آیت کا ہر ٹکڑہ دوسرے ٹکڑہ کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ درحقیقت اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے الٰہی سلسلوں کے قائم ہونے کا طریق بتایا ہے اور فرماتا ہے کہ جب بھی کوئی سچائی قائم ہوگی دشمن اُس کو مٹانے کی پوری کوشش کرے گا۔ ایسی حالت میں دشمن کو اس کی کوششوں میں ناکام کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کی جائیں اور اُس سے مدد اور نصرت طلب کی جائے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور سچائی کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کی جائیں، نتیجہ یقیناً تمہارے حق میں نکلے گا اور تمہارا دشمن ناکام و نامراد رہے گا۔ گویا اگر فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ پر عمل کیا جائے تو اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ کا ظہور بالکل قطعی اور یقینی ہوتا ہے اور جنگوں کے متعلق تو لوگ کہتے ہیں کہ ’’جنگ دو سر دارد‘‘ یعنی جنگ کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس میں فتح بھی ہو سکتی ہے اور اس میں شکست بھی ہو سکتی ہے۔ مگر وہ جنگ جو خدا تعالیٰ کی خاطر لڑی جائے اور جس میں فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے مطابق دعاؤں سے بھی کام لیا جائے اور قربانیوں سے بھی کام لیا جائے اس کا نتیجہ بالکل قطعی اور یقینی ہوتا ہے کہ دشمن مارا جاتا ہے اور وہ تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس بات پر عمل کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے اس پر کس طرح عمل کیا۔

سب سے پہلی ذمہ داری رسول کریم ﷺ پر تھی اور آپ ہی اس کے اولین مخاطب تھے اس لئے ہمیں دیکھنا چاہئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کا کیا نمونہ پیش کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب مکہ میں مسلمانوں پر مظالم ہوئے تو صحابہؓ کو آپ نے اجازت دے دی کہ وہ ہجرت کر کے چلے جائیں۔ مگر جب آپ سے کہا گیا کہ آپ بھی کہیں باہر تشریف لے جائیں تو آپ نے فرمایا میں اُس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ہجرت کی اجازت نہ ملے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ایک دفعہ کفار کے مختلف قبائل نے یہ منصوبہ کیا کہ ہم سب مل کر آج رات محمد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں [۱۳] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا علم ہو گیا اور آپ نے اپنے بستر پر اپنے چچا زاد بھائی حضرت علیؓ کو جنہیں آپ نے اپنے بیٹوں کی طرح پالا تھا اور جن سے آپ کی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی لٹا دیا اور خود حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ غارِ ثور کی طرف تشریف لے گئے۔[۱۴] یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں تک دُنیوی اسباب کا سوال ہے اس رات جو بھی آپ کے بستر پر لیٹتا اس کا مارا جانا قطعی تھا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن بہرحال کسی اور کی قربانی پیش کرنی تھی کیونکہ آپ کو تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ آپ مکہ سے باہر تشریف لے جائیں۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت آپ نے بہرحال جانا تھا اسلئے اب کسی دوسرے کی قربانی کا ہی سوال ہو سکتا تھا۔ یہی ہو سکتا تھا کہ آپ کسی اور سے کہتے کہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ایسا حکم آپ ہر صحابیؓ کو دے سکتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم! تُو خود اپنی قربانی پیش کر اس لئے آپ نے اُس روز کسی اور کی قربانی پیش نہیں کی بلکہ آپ نے اپنے چچا زاد بھائی اور روحانی بیٹے اور داماد حضرت علیؓ سے کہا کہ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ یہ اور بات ہے کہ عین موقع پر دشمن کو پتہ لگ گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکل گئے ہیں اور اب ان کے بستر پر کوئی اور شخص لیٹا ہوا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے حضرت علیؓ کو نہیں مارا۔

لیکن غالب خیال کیا تھا؟ غالب خیال یہی تھا کہ وہ اچانک اندھیرے میں جب اندر داخل ہوتے تو حضرت علیؓ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر مار دیتے۔ بہر حال اُس روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وَانْحَرْ کے حکم کی تعمیل میں کسی اور کو قربانی کے لئے پیش نہیں کیا بلکہ اپنے داماد اور اپنے چچا زاد بھائی کو پیش کیا اور اُس قربانی کے لئے پیش کیا جس میں ان کی جان جانے کا سَو فیصدی احتمال تھا یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ پھر بعد میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے اپنے آپ کو جس رنگ میں قربانی کے لئے پیش کیا ہے وہ بے مثال ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن کسی نے صحابہؓ سے پوچھا کہ آپ میں سے بڑا بہادر کون تھا؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے سب سے بڑا بہادر وہ شخص ہوا کرتا تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو۔[۱۵] اس لئے کہ دشمن کا سارا زور اس بات پر صرف ہوتا تھا کہ وہ کسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مار ڈالے اس لئے آپ کے پاس وہی شخص کھڑا ہو سکتا تھا جو نہایت جری اور دلیر ہو۔ اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ سب سے زیادہ خطرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتا تھا اسی لئے صحابہؓ بار بار اصرار کرتے تھے کہ آپ لڑائی میں نہ جائیں مگر آپ فرماتے ایسا نہیں ہو سکتا۔

پھر ابتدائی زمانہ میں جو لڑائیاں ہوئیں ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا شہید ہوئے۔ انہی لڑائیوں میں حضرت علیؓ کو متواتر شامل ہونا پڑا۔ حضرت جعفرؓ بھی انہی لڑائیوں میں شہید ہوئے۔ غرض متواتر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے خاندان کی قربانی پیش کی اور بعض دفعہ تو اس طرح پیش کی کہ بڑے بڑے عیسائی مؤرخ بھی حیرت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور وہ آپ کی شجاعت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

جنگ حنین ایک مشہور جنگ ہے جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہوئی۔ اس جنگ میں مکہ کے بعض نو مسلم اور کفار بھی شامل ہو گئے تھے۔ انہوں نے جنگ میں شامل ہونے کیلئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی اور آپ نے اجازت دے دی مگر چونکہ وہ دین سے پوری طرح واقف نہیں تھے، جب اسلامی لشکر نکلا تو متکبرانہ انداز میں انہوں نے آگے آگے چلنا

شروع کر دیا اور یہ دعوے کرنے لگ گئے کہ آج دشمن کو ہم مار ڈالیں گے، ہم اسے تباہ کر دیں گے، وہ ہمارے مقابلہ میں آئے تو سہی ، ہم اُسے دکھائیں گے کہ جنگ کس طرح لڑی جاتی ہے۔جس قوم کے مقابلہ کے لئے یہ اسلامی لشکر روانہ ہوا تھا وہ بہت مشہور تیرانداز تھی۔ایک پہاڑی راستہ پر اُس قوم نے دائیں بائیں اپنے تیرانداز چھپا کر بٹھا دیئے۔جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ فوج آگے نکل گئی وہ سینکڑوں تیرانداز جو درہ میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے یک دم اسلامی لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ چونکہ درہ تنگ تھا اور حملہ بالکل اچانک تھا اور آگے آگے جانے والے زیادہ تر کفار مکہ یا نَو مسلم تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تیروں کی بوچھاڑ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ان کے گھوڑوں اور اونٹوں کے بھاگنے کی وجہ سے صحابہؓ کی سواریوں نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ چار ہزار کا لشکر آپ کے سامنے تھا، دشمن دونوں طرف سے تیر برسا رہا تھا اور آپ ایک تنگ درہ میں صرف بارہ صحابہ کے ساتھ کھڑے تھے کہ آپ کے گھوڑے کی باگ حضرت ابوبکرؓ نے پکڑ لی اور انہوں نے کہا، یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! اب آگے جانا مناسب نہیں جب اسلامی لشکر جمع ہو جائے گا اُس وقت آگے بڑھیں اِس وقت آگے جانا سخت خطرناک ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو آپ نے فرمایا ابوبکر! ابوبکرؓ میرے گھوڑے کی باگ چھوڑ دو۔ خدا کے رسول میدانِ جنگ سے بھاگا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور آپ دشمن کی طرف بڑھے۔اُس وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ [۱۶] میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔مگر تم میرے اس فعل کو دیکھ کر کہ میں اکیلا چار ہزار کے لشکر کی طرف بڑھ رہا ہوں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ میں کوئی خدائی طاقتیں اپنے اندر رکھتا ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں اور تمہاری طرح ایک انسان ہی ہوں مگر خدا نے مجھ پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اُن کا تقاضا ہے کہ میں اِس وقت کسی خطرہ کی پرواہ نہ کروں اور دشمن کی طرف بڑھتا چلا جاؤں۔ پھر آپ نے حضرت عباسؓ کو بلایا (ان کی آواز اونچی تھی) اور اُن سے کہا کہ بلند آواز سے پکارو کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے۔اُس وقت آپ نے مہاجرین کا نام

نہیں لیا کیونکہ جن لوگوں کی وجہ سے لشکر میں بھاگڑ مچی تھی وہ مہاجرین کے رشتہ دار اور مکہ کے رہنے والے ہی تھے۔ اس طرح ایک رنگ میں آپ نے اُن پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب عباسؓ نے آواز دی اور کہا اے انصار! خدا کا رسول تم کو بلاتا ہے تو ایک انصاری کہتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے اُس وقت اتنے بے قابو تھے اور ہمارے اونٹ اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ ہم پورا زور لگا کر اپنے گھوڑوں کی باگیں اور اپنے اونٹوں کی نکیلیں کھینچتے اور اتنا زور لگاتے کہ اُن کا منہ اُن کی کمر سے آ لگتا مگر باوجود اس کے کہ ان کے منہ اُن کی کمر سے آ لگتے پھر بھی وہ اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ جب باگیں ذرا ڈھیلی ہوتیں وہ پھر واپس مکہ کی طرف دوڑ پڑتے۔ مگر وہی صحابی کہتے ہیں جب عباسؓ کی یہ آواز ہمارے کانوں میں آئی کہ اے انصار! خدا کا رسول تم کو بُلاتا ہے تو اُس وقت ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ہم زندہ ہیں اور اس دنیا میں بس رہے ہیں بلکہ ہمیں یوں معلوم ہوا کہ ہم سب اپنی اپنی قبروں میں پڑے ہیں، حشر کا دن ہے اور اسرافیل فرشتہ ہمیں آواز دے رہا ہے۔ ہم نے اپنی تلواریں نکال لیں اور اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو زور سے موڑنا شروع کیا۔ جن کی سواریاں مڑ گئیں وہ سواریوں پر اور جن کی سواریاں مڑ نہ سکیں انہوں نے تلوار سے اپنی سواریوں کی گردنیں کاٹ کر پیدل لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَبَّیْکَ کہتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑنا شروع کیا اور تھوڑی دیر میں ہی سارا لشکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گیا[۱۷] تو دیکھو کیسا خطرے کا وقت تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ صرف بارہ آدمی آپ کے ساتھ تھے، چار ہزار کا لشکر آپ کے سامنے آیا اور دونوں طرف سینکڑوں تیر انداز کھڑے تھے مگر آپ نے ذرا بھی پرواہ نہ کی بلکہ جب کسی نے آگے بڑھنے سے روکا تو آپ نے یہی کہا کہ خدا کے رسول میدانِ جنگ سے بھاگا نہیں کرتے۔

غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** کا کامل نمونہ پیش کیا ہے پھر ہم صحابہ اور صحابیات کو دیکھتے ہیں تو ان کی قربانیاں بھی ہمیں اتنی شاندار نظر آتی ہیں کہ جن کی مثال دنیا کی اور کسی قوم میں نہیں ملتی۔

عورت اپنے بچے سے کتنی محبت رکھتی ہے اور عورت کے لئے یہ امر کیسا مشکل ہوتا ہے کہ وہ

اپنے بچے کی وفات کی خبر سُنے اور پھر بھی اپنے جذبات کو غالب نہ آنے دے۔ مگر صحابیاتؓ نے اس بارہ میں بھی جو نمونہ پیش کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

اُحد کی جنگ کا واقعہ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم آئے اور آپ بے ہوش ہو کر ایک گڑھے میں جا پڑے کئی اور صحابہؓ آپ کو بچاتے ہوئے شہید ہو گئے اور ان کی لاشیں بھی آپ کے جسم پر جا پڑیں اور آپ اپنے صحابہؓ کی لاشوں کے نیچے دب گئے بعض صحابہؓ نے غلطی سے یہ سمجھا کہ آپ شہید ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس سے پہلے اسلامی لشکر کو فتح ہو چکی تھی اور بہت سا حصہ اسلامی لشکر کا میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ کر آرام کر رہا تھا اس لئے جب انہیں پتہ لگا کہ دشمن نے دوبارہ حملہ کیا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ایک سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں کئی لوگ مدینہ کی طرف چل پڑے اور وہاں جا کر یہ خبر پھیلا دی۔ حضرت عمرؓ بھی انہی لوگوں میں تھے جو اسلامی لشکر کے فتح پانے پر پیچھے ہٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو ایک چٹان پر بیٹھ کر رونے لگ گئے وہ ابھی رو ہی رہے تھے کہ مالکؓ انصاری ایک صحابی حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے اور ان سے کہا عمرؓ! یہ رونے کا کون سا موقع ہے۔ خدا نے اسلام کو فتح دی ہے اور تم رو رہے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ مالک! تمہیں پتہ نہیں کہ بعد میں کیا ہوا۔ انہوں نے کہا کیا ہوا؟ حضرت عمرؓ نے کہا بے شک اسلامی لشکر کو فتح ہوئی تھی مگر بعد میں حالات بدل گئے۔ دشمن نے اچانک حملہ کر دیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ مالکؓ اُس وقت بھوک کی وجہ سے کھجوریں کھا رہے تھے اور آخری کھجور ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے کہا عمرؓ! اگر ایسا ہوا ہے تو پھر بھی یہ رونے کا کون سا مقام ہے اگر ہمارا آقا اور ہمارا محبوب شہید ہو چکا ہے تو جہاں ہمارا محبوب گیا ہے ہم بھی وہیں جائیں گے۔ ہمارا یہ کام نہیں کہ ہم اِس وقت عورتوں کی طرح بیٹھ کر رونے لگ جائیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم دشمن پر حملہ کریں اور مارے جائیں۔ پھر انہوں نے کہا میرے اور جنت کے سوائے اِس کھجور کے (جو اُن کے ہاتھ میں تھی) اور کونسی چیز حائل ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے کھجور کو پھینکا اور جبکہ تمام مسلمان بظاہر لڑائی ختم کر چکے تھے اور اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اُنہوں نے اکیلے دشمن پر حملہ کر دیا اور اس جوش اور دیوانگی کے ساتھ لڑائی کی کہ جنگ کے

بعد ان کے جسم کے ستر ٹکڑے ملے۔ کوئی شخص اُن ٹکڑوں کو دیکھ کر یہ پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ مالکؓ کی لاش ہے۔ آخر اُن کی بہن نے ایک انگلی کے نشان سے پہچانا اور کہا یہ میرے بھائی کی لاش ہے۔ [۱۸]

اِسی جنگ کا واقعہ ہے کہ جب مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پہنچی تو عورتیں اور بچے اور بوڑھے سب گھبرا کر اُحد کی طرف چل پڑے۔ جب اُحد کے قریب پہنچے تو اُس وقت اسلامی لشکر واپس آ رہا تھا اور اسے علم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں مگر مدینہ سے آنے والوں کو ابھی اس کا علم نہیں تھا۔ اسلامی لشکر کو آتا دیکھ کر ایک عورت آگے بڑھی اور اس نے ایک مسلمان سپاہی سے بے تابی کے ساتھ پوچھا مجھے بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ چونکہ اُسے پتہ تھا کہ آپ زندہ ہیں اور خیریت کے ساتھ ہیں اس نے اس سوال کو کوئی اہمیت نہ دی اور عورت کو جواب یہ دیا کہ بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تمہارا باپ اِس لڑائی میں مارا گیا اس نے کہا میں تجھ سے پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اور تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ تمہارا باپ مارا گیا ہے۔ کیا میرے سوال کا یہ جواب ہے؟ تم مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہے۔ اس نے پھر بھی اس کے جذبات کی اہمیت کو محسوس نہ کیا اور کہا بی بی! مجھے افسوس ہے کہ تیرے دو بھائی بھی اس لڑائی میں مارے جا چکے ہیں۔ اس نے پھر غصہ اور غیرت سے کہا تم اور اور باتیں کیوں کرتے ہو مجھے بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے اب بھی اِس سوال کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ اُس کا اپنا دل مطمئن تھا۔ اس نے کہا بی بی! مجھے بڑا افسوس ہے کہ تمہارا خاوند بھی اس جنگ میں شہید ہو گیا ہے۔ عورت نے کہا اے بھائی! میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتی ہوں کہ تُو مجھے صرف اتنا بتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خیریت سے ہیں۔ عورت نے کہا میں نہیں مانتی مجھے بتاؤ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں کھڑے ہیں؟ میں جب تک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گی مجھے تسلی نہ ہو گی۔ اُس صحابی نے اشارہ کیا اور کہا دیکھو وہ جو جھنڈا کھڑا ہے وہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تم جاؤ اور اپنی آنکھوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو۔ وہ عورت دیوانہ وار اُس مقام

کی طرف دَوڑتی جاتی اور نسوانی زبان میں یہ کہتی جاتی کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ! آپ نے یہ کیا کیا؟ یَـا رَسُـوْلَ اللّٰـہ ! آپ نے یہ کیا کیا؟ یہ ایک ادبی زبان ہے جس کو عورتیں خصوصاً مصیبت کے وقت استعمال کرتی ہیں۔ عورت کا بچہ مر جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ ہائے بچہ تُو نے کیا کیا؟ حالانکہ موت پر بچے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ مگر جذبات کی فراوانی کی وجہ سے وہ یہ نہیں سمجھتی کہ یہ کسی حادثہ کی وجہ سے مرا ہے، بلکہ سمجھتی ہے کہ شاید میرے دل کو دُکھانے کے لئے مجھ سے جُدا ہوا ہے۔ وہی محبت، وہی جذبات والی محبت جس کو صرف عورت ہی سمجھ سکتی ہے، وہی محبت جس کے متعلق صرف عورت ہی جانتی ہے کہ کس طرح اپنے محبوب سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے، وہی محبت اپنی تمام کیفیات اور جذبات کے ساتھ صحابیاتؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل کر چکی تھیں۔ وہ محبت جو ایک لڑکی کو اپنے باپ سے ہوتی ہے، وہ محبت جو ایک بہن کو اپنے بھائی سے ہوتی ہے، وہ محبت جس کے جوش میں ایک شاعر عورت اپنے خاوند کی یاد میں تڑپتی ہے، وہ محبت جس کے جوش میں بہنیں اپنے ویر کی یاد تازہ رکھتی ہیں اسی محبت اور اسی پیار اور اسی عشق کے ساتھ وہ عورت بھاگتی جاتی اور یہ کہتی جاتی تھی یَـا رَسُـوْلَ اللّٰہ ! آپ نے یہ کیا کیا یَـا رَسُـوْلَ اللّٰـہ ! آپ نے یہ کیا کیا۔ جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی تو اس کے گھٹنے لڑکھڑا گئے اور وہ کھڑی نہ رہ سکی۔ عورتوں کے لئے مصافحہ جائز نہیں اس لئے اُس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑ کر نہایت محبت کے ساتھ بوسہ دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے عورت! ہم تجھ سے ہمدردی کرتے ہیں کہ اس جنگ میں تیرا باپ، تیرا خاوند اور تیرے بھائی سب شہید ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ کی زندگی کے بعد مجھے یہ خیال بھی کس طرح آ سکتا ہے کہ کون مارا گیا ہے جب تک آپ زندہ ہیں تو سب کچھ موجود ہے۔ [۱۹]

اسی جنگ میں حضرت معاذ انصاریؓ کا ایک نوجوان بھائی بھی جو نہایت بہادر اور جری سپاہی تھا مارا گیا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت معاذؓ نے اس خوشی میں فخریہ طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑی ہوئی تھی کہ آج ہم خدا کے رسول کو سلامتی کے ساتھ واپس لائے ہیں اور اِس قابل ہو سکے ہیں کہ مدینہ والوں کو اپنا منہ

دکھا سکیں۔ وہ آ ہی رہے تھے کہ حضرت معاذؓ کو سامنے سے اپنی ستّر اسّی سالہ بڑھیا ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ بھاری بھاری قدم زمین پر مارتی ہوئی آ رہی تھی کہ حضرت معاذؓ نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں۔یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میری ماں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔میری اونٹنی کو کھڑا کرو کھڑا کر دیا گیا تو وہ عورت آگے بڑھی مگر چونکہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی نظر کمزور تھی اس نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ معاذؓ نے کہا اونٹ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہیں۔اُس نے پھٹی پھٹی نظروں سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا اور آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس کی نظر گڑ گئی۔حضرت معاذؓ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے آپ نے فرمایا۔بی بی! مجھے بہت رنج ہے کہ تمہارا نوجوان لڑکا جو اسلام کا بہت خادم تھا آج مارا گیا ہے۔اس نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ بھی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔آپ کو خدا خیریت سے لایا ہے اس وقت میرے بیٹے کی موت حیات کا کیا ذکر ہے۔[20]

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام نے سات سال میں عرب میں تغیر پیدا کر دیا اور چند سالوں میں اس نے دنیا پلٹ دی۔مگر اسلام کی یہ کامیابی اور اسلام کی یہ فتح کس چیز کا نتیجہ تھی۔ یہ نتیجہ تھی ان لوگوں کی جدوجہد کا جو رات اور دن اسلام کی خاطر قربانیاں کر رہے اور فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کے حکم پر عمل کر رہے تھے۔کیا مرد اور کیا عورتیں، کیا بچے اور کیا بوڑھے سب کے سب یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کی زندگی ہی اصل زندگی ہے اور یہ کہ اسلام کی موت کے بعد ان کی زندگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔یہی چیز تھی جس نے ان کو فتح دی اور یہی چیز ہے جو آج بھی مسلمانوں کو فتح دلا سکتی ہے۔عمل اور صرف عمل ایک چیز ہے جس کا اسلام بنی نوع انسان سے مطالبہ کرتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کے بعد برکت ہی برکت نظر آنے لگتی ہے۔

اِسی جنگ کا ایک اور واقعہ ہے رسول کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے بعد بعض لوگوں کو اس ڈیوٹی پر مقرر کیا کہ وہ دیکھیں کہ میدانِ جنگ میں کون کون زخمی پڑے ہیں اور جن کی مدد کی جا سکتی ہو ان کی فوری طور پر مدد کی جائے۔ایک صحابی اسی طرح پھر رہے تھے کہ انہوں

نے مدینہ کے ایک بہت بڑے مسلمان سردار کو دیکھا کہ وہ زخموں کی تکلیف کی وجہ سے تڑپ رہے ہیں اور نزع کی حالت میں گرفتار ہیں۔ وہ جلد جلد ان کے قریب ہوئے اس خیال سے کہ شاید انہیں پیاس لگی ہوئی ہو یا شاید وہ کوئی پیغام دینا چاہتے ہوں۔قریب پہنچ کر انہوں نے کہا فرمایئے آپ کو کوئی حاجت تو نہیں؟ میں آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں ہاں میں انتظار ہی کر رہا تھا کہ کوئی صحابی مجھے ملے اور میں اس کے ذریعہ ایک ضروری پیغام پہنچا دوں۔ پھر انہوں نے کہا آگے آؤ اور میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دو۔ جب انہوں نے اپنا ہاتھ آگے کیا تو اس صحابی کے ہاتھ کو پکڑ کر کہا میں اس لئے کسی آدمی کا انتظار کر رہا تھا کہ میں چاہتا تھا میرا ایک پیغام میرے قبیلہ والوں کو پہنچ جائے سو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تم مجھے مل گئے ہو۔ میرے قبیلہ کے لوگوں کو میری طرف سے کہہ دینا کہ تمہارے خاندان کا فلاں رئیس مر چکا ہے اور اُس نے مرتے وقت یہ کہا ہے کہ اے میرے عزیزو! دنیا کی سب سے بڑی اور قیمتی امانت جو ہمارے پاس ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔ ہم نے اسکی حفاظت کے لئے اپنی جانیں قربان کیں اور اس مقدس امانت کی نگہداشت کے لئے ہم سے جو کچھ ہوسکتا تھا کیا اب ہم جانیں قربان کر کے جا رہے ہیں اور وہ امانت تمہارے سپرد ہو رہی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ تم بھی اپنی جانیں قربان کر کے اس قیمتی امانت کی حفاظت کرو گے۔ یہ کہا اور جان دے دی۔[۲۱]

دنیا میں لوگ مرتے ہیں مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ کس طرح مرتے وقت ہائے اماں اور ہائے بچو! کے الفاظ ان کی زبان پر ہوتے ہیں مگر اس انسان کو دیکھو کہ مرتے وقت وہ یہ نہیں کہتا کہ میری جائیداد کو یوں سنبھالا جائے، وہ یہ نہیں کہتا کہ میرے بچوں کی اس طرح نگہداشت کی جائے، وہ یہ نہیں کہتا کہ میری بیوی کو یہ پیغام دیا جائے۔ وہ کہتا ہے تو یہ کہ جو کچھ بچ گیا ہے وہ بھی اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربان کر دیا جائے۔

یوں فخر کر لینا کہ ہم مسلمان یا مسلمانوں کی اولاد ہیں اور بات ہے اور کام کرنا اور بات ہے۔ اسلام پر اِس وقت جو نازک دَور آیا ہوا ہے وہ ایسا نہیں کہ مرد اور عورت کی قربانی کے بغیر اس میں سے گزرا جا سکے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت یہ سمجھ لے کہ اب اس کی زندگی اپنی نہیں بلکہ اس کی زندگی کی ایک ایک گھڑی اسلام کے لئے وقف ہے اور اسے سمجھ لینا چاہئے

کہ زندہ رہ کر اگر ذلت کی زندگی بسر کرنی پڑے تو اس سے ہزار درجہ بہتر یہ ہے کہ وہ اسلام کی خاطر لڑتا ہوا مارا جائے۔ مرد اور عورت دونوں انسان ہیں عورتیں کہا کرتی ہیں کہ ہمارے حقوق ہمیں دیئے جائیں اور جب عورت اپنے حقوق مانگتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ اُس کا دماغ ویسا ہی ہے جیسے مردوں کا دماغ ہے اور اُس کا دل ویسا ہی ہے جیسے مردوں کا دل ہے اور جب حقیقت یہ ہے تو کیا کوئی عورت یہ برداشت کرسکتی ہے کہ وہ ذلت کی زندگی بسر کرے؟ وہ دوسروں کی غلامی کی زندگی بسر کرے؟ وہ دوسروں کی ماتحتی کی زندگی بسر کرے؟ اگر کوئی عورت یہ برداشت نہیں کرسکتی تو ہر عورت اور ہر مرد کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کو اپنی زندگی قربان کرنی پڑے گی تب انہیں عزت اور آزادی کا یہ مقام حاصل ہوگا۔

میں جب قادیان سے لاہور آیا تو بعض بڑے بڑے آدمی مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور انہوں نے کہا اب تو لاہور بھی خطرہ میں ہے بتایئے کیا کیا جائے؟ میں نے کہا لاہور کو ہی خطرہ نہیں سارا پاکستان خطرہ میں ہے۔ جب تم نے پاکستان مانگا تھا تو یہ سمجھ کر مانگا تھا کہ صرف اتنا ٹکڑہ ہمیں ملے گا اس سے زیادہ نہیں۔ اور یہ سمجھ کر مانگا تھا کہ روپیہ ہمارے پاس کم ہوگا، سامان ہمارے پاس کم ہوگا اور ہمیں اپنی حفاظت کے لئے بہت بڑی جدوجہد سے کام لینا پڑے گا۔ یہ نہیں کہ آپ نے مانگا زیادہ تھا اور ملا کم یا آپ نے تو ہندوستان کا اکثر حصہ مانگا تھا اور آپ کو اُس کا ایک قلیل حصہ دے دیا گیا ہے بلکہ جو کچھ آپ لوگوں نے مانگا تھا وہ قریب قریب آپ کو مل گیا ہے اور یہ خطرات جو آج آپ کو نظر آرہے ہیں اُس وقت بھی آپ کے سامنے تھے اس لئے یہ کوئی نئے خطرات نہیں۔ پاکستان کے لئے خطرات ضروری تھے اور اب جبکہ پاکستان قائم ہو چکا ہے پاکستان کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے یا تو وہ فتح پائے گا یا مارا جائے گا۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر تم شکست کھانا چاہتے ہو تو یاد رکھو دنیا میں کوئی مُلک ایسا نہیں جو مغربی پاکستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو پناہ دے سکے یا مغربی اور مشرقی پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو پناہ دے سکے۔ مشرقی پنجاب میں سے صرف ساٹھ لاکھ مسلمان اِدھر منتقل ہوئے تھے مگر ابھی تک لاکھوں لاکھ آدمی اِدھر اُدھر پھر رہا ہے اور اُسے رہنے کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں ملا حالانکہ وہ لاکھوں آدمی اپنی مرضی

سے نہیں آیا تھا، خود پاکستان کی حکومت نے اُن کو بُلوایا تھا۔ یہ کہہ کر بُلوایا تھا کہ ہم مشرقی پنجاب کی حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ اس طرف کے مسلمان اِدھر آ جائیں اور اس طرف کے ہندو اُدھر چلے جائیں۔ انہیں یقین دلایا گیا تھا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے، تمہارے لئے زمینوں اور مکانوں کا انتظام کریں گے، تم اپنے گھروں کو چھوڑو اور مغربی پنجاب میں آ جاؤ۔ اِسی اُمید پر انہوں نے اپنے وطن چھوڑے اور اِسی امید پر وہ مغربی پنجاب میں آئے۔ ہم جو قادیان کے رہنے والے ہیں صرف ہماری ایک مثال ایسی ہے کہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ قادیان کو چھوڑیں۔ ہم ایک چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے اور ہمارا ارادہ تھا کہ اگر اِردگرد کے دیہات اور شہروں میں رہنے والے مسلمان اتحاد کر لیں تو اس علاقہ کو نہ چھوڑا جائے مگر چند دنوں کے اندر اندر سارا مشرقی پنجاب خالی ہو گیا۔ مگر باوجود اسکے کہ وہ وہاں سے بھاگے اور اس خیال سے بھاگے کہ پاکستان میں ہمارے لئے جگہ موجود ہے پھر بھی وہ آج چاروں طرف خانہ بدوش قوموں کی طرح پھر رہے ہیں اور انہیں کوئی ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ان کا یہ خیال کہ ہمیں پاکستان میں رہنے کی جگہ مل جائے گی غلط تھا یا صحیح، سوال یہ ہے کہ اگر مشرقی پنجاب کے ساٹھ لاکھ مسلمانوں کو پاکستان پناہ نہیں دے سکا تو پاکستان کے تین کروڑ مسلمانوں کو کیا بلوچستان پناہ دے گا؟ جس کی اپنی آبادی چالیس لاکھ کے قریب ہے۔ کیا ایران پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔ کیا عرب پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ۷۰۔۸۰ لاکھ ہے۔ کیا افغانستان پناہ دے گا؟ جس کی آبادی ایک کروڑ سے زیادہ نہیں ہے آخر کون سا اسلامی ملک ہے جس میں تین کروڑ مسلمانوں کے سمانے کی گنجائش موجود ہے۔ اگر پاکستان نے شکست کھائی تو یقیناً اس کے لئے موت ہے پاکستان میں بھی موت ہے اور پاکستان سے باہر بھی موت ہے اور جب موت ایک لازمی چیز ہے تو اب سوال یہ نہیں رہ جاتا کہ مسلمان جائیں کہاں؟ بلکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لاہور کے آگے لڑتے لڑتے مارے جائیں یا کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر مریں۔ میں نے کہا یہ دونوں موتیں آپ لوگوں کے سامنے ہیں اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ آپ کونسی موت قبول کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ لاہور کے سامنے دشمن سے لڑتے ہوئے مرنا زیادہ پسند کرتے ہیں یا یہ پسند کرتے ہیں کہ بھاگتے ہوئے کراچی کے سمندر میں غرق ہو جائیں اور مارے جائیں؟

بہر حال پاکستان کے لئے اب سوائے اِس کے کوئی اور چیز نہیں کہ فتح یا موت۔ دوسرے مُلکوں کے لئے تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی جگہ تبدیل کر لیں کیونکہ ان کی آبادی تھوڑی ہے لیکن پاکستان کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جو پاکستان کے لوگوں کو پناہ دے سکے۔ کسی مُلک سے پاکستان کی آبادی دوگنی ہے اور کسی مُلک سے تین گنی اس لئے کوئی ملک ایسا نہیں جس میں پاکستان کے لوگ سما سکیں بلکہ ان ممالک میں پاکستان کی بیس فیصدی آبادی کا بسانا بھی ناممکن ہے کجا یہ کہ کسی ملک سے دوگنی یا تگنی آبادی کو وہاں بسایا جا سکے۔ پس پاکستان کے ہر مسلمان مرد اور عورت کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے یا تو عزت اور فتح کی زندگی بسر کرنی ہے یا عزت اور فخر کی موت اُس نے مرنا ہے۔ یہی ایک راستہ ہے جس پر ہر شریف انسان کو چلنا چاہئے کہ یا وہ دشمن پر فتح پائے یا عزت کی موت مرے۔

حیدر الدین، میسور کا ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ جسے انگریزوں نے بہت بدنام کیا اور اس کے نام پر انہوں نے اپنے کتوں کا ٹیپو نام رکھا۔ یہ آخری مسلمان بادشاہ تھا جس میں اسلامی غیرت پائی جاتی تھی۔ حیدر آباد جو آج کئی قسم کی مشکلات میں پھنسا ہوا ہے اس نے ہر دفعہ میسور کی اس حکومت کو تباہ کرنے کے لئے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ جب بنگلور پر انگریزوں نے آخری حملہ کیا تو سلطان حیدر الدین قلعہ کی ایک جانب فصیل کے پاس اپنی فوجوں کو لڑائی کے لئے ترتیب دے رہا تھا کہ ایک جرنیل اس کے پاس بھاگا بھاگا آیا اور اُس نے کہا بادشاہ سلامت! اِس وقت کہیں بھاگ جائیے کسی غدار نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا ہے اور انگریزی فوج قلعہ کے اندر داخل ہو کر مارچ کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی آرہی ہے ابھی کچھ رستے خالی ہیں آپ آسانی سے ان رستوں کے ذریعہ بھاگ سکتے ہیں۔ حیدر الدین نے نہایت حقارت کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا اور کہا تم کہتے ہو میں بھاگ جاؤں۔ یاد رکھو شیر کی دو گھنٹہ کی زندگی گیدڑ کی دوسَو سال کی زندگی سے بہتر ہوتی ہے یہ کہا اور تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور سپاہیوں کے ساتھ مل کر انگریزوں سے لڑتا ہوا مارا گیا اور اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تو جرأت اور بہادری ایسی چیز ہے جو دنیا میں انسان کا نام عزت کے ساتھ قائم رکھتی ہے۔ تاریخوں میں کبھی تم نے بزدلوں کے قصے بھی پڑھے ہیں کہ فلاں نے جنگ کے موقع پر اس طرح بُزدلی،

دکھائی کبھی تم نے بھگوڑوں کے قصے بھی پڑھے ہیں جن کو تاریخ نے یاد رکھا ہو، کبھی تم نے کام چوروں کے قصے بھی پڑھے ہیں تاریخ میں جن لوگوں کو یاد رکھا جاتا ہے وہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو قوم کے لئے قربانیاں کرتے اور اپنی جانوں اور مالوں کی ذرہ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ قربانیاں کرنے والے مرد بھی ہوتے ہیں عورتیں بھی ہوتی ہیں اور بچے بھی ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں بھی ان قربانیوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں اور یورپین تاریخ میں بھی ان قربانیوں کی مثالیں پائی جاتی ہیں اور تو اور بعض نابالغ بچوں نے ایسی قربانیاں کی ہیں جن کی مثال بڑے بڑے بہادروں میں بھی نہیں ملتی۔

پس اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ کے الفاظ گو ایک رنگ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں ہوتے ہیں۔ مگر ایک رنگ میں آج پاکستان کے ہر فرد کے سامنے یہ الفاظ رہنے چاہئیں۔ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ۔ خدا نے آپ لوگوں کو ایک آزاد حکومت دے دی ہے۔ جس میں اسلامی طریقوں پر عمل کرنے کا آپ لوگوں کے لئے موقع ہے۔ اب اِس دوسرے حصہ کو پورا کرنا مسلمانوں کا کام ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں، عبادتیں بجا لائیں اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنائیں اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ملک اور اپنی قوم اور اپنے مذہب کی عزت بچانے کے لئے ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ اگر مسلمان ان پر عمل کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرتا ہے کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ وہ دشمن جو آج انہیں کچلنا چاہتا ہے خود کچلا جائے گا۔ وہ دشمن جو انہیں تباہ کرنا چاہتا ہے خود تباہ ہو جائے گا۔ صرف اُس احسان کے بدلے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا ہے کہ اس نے انہیں کوثر بخشا۔ اللہ تعالیٰ ان سے دو باتیں چاہتا ہے ایک یہ کہ وہ اپنا دین درست کرلیں اور عبادت اور دعاؤں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں اور دوسرے یہ کہ وہ اپنے دین اور مذہب کیلئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کریں۔ جب وہ ایسا کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ یہ مت خیال کرو کہ تم تھوڑے ہو، یہ مت خیال کرو کہ تم کمزور ہو، اگر اس جذبہ اور نظریہ اور ایمان سے تم کھڑے ہو گے تو خدا بے غیرت نہیں، خدا بے وفا نہیں، وہ چھوڑے گا نہیں جب تک وہ اس زبردست دشمن کو جو تم پر حملہ کر رہا ہے تباہ اور

برباد نہ کر دے۔

یہ ایک چھوٹی سی سورۃ ہے مگر قومی فرائض اور ذمہ داریوں کی وہ تفصیل جو اس سورۃ میں بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ سے امداد حاصل کرنے کے وہ ذرائع جو اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سورۃ آج ہر پاکستانی کے سامنے رہنی چاہئے۔ خصوصاً ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ اس سورۃ کے مضامین پر غور کرے اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی بنائے کیونکہ جماعت احمدیہ نے ایک نیا عہد خدا تعالیٰ سے باندھا ہے اور نئے عہد پُرانے عہدوں سے زیادہ راسخ ہوتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے سامنے اعلان کیا ہے کہ ہم اسلام کی خدمت کریں گے اور ہم اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کر کے اسلام کا جھنڈا دنیا کے کونے کونے میں گاڑ دیں گے۔ جب تک اپنے عمل سے وہ یہ ثابت نہیں کر دیتے کہ ان میں سے ہر مرد اور ہر عورت اس عہد کے مطابق اپنی زندگی بسر کر رہا ہے، جب تک وہ یہ ثابت نہیں کر دیتے کہ اسلام کے لئے فدائیت اور جانثاری کا جذبہ ان کا ایک امتیازی نشان ہے اور وہ اپنی ایک ایک حرکت اسی جذبہ کے ماتحت رکھیں گے اُس وقت تک ان کا یہ دعویٰ کہ ہم اسلام کی خدمت کے لئے کھڑے ہوئے ہیں ایک باطل دعویٰ ہوگا اور ہر دوست اور ہر دشمن کی نگاہ میں انہیں ذلیل کرنے والا ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر وہ احمدی مرد اور عورت کو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنی ذمہ داری سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور انہیں سچے طور پر اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی قربانی کرنے کی طاقت بخشے تاکہ وہ اپنے منہ سے ہی یہ کہنے والے نہ ہوں کہ ہم قربانی کر رہے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فرشتے بھی آسمان پر ان کی قربانیوں کو دیکھ کر تعریف کریں اور ان کی ترقی اور درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ موجودہ مصائب سے بچا کر مسلمانوں کو عزت، آزادی اور ترقی کی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(مطبوعہ از پی۔ آر۔ بی۔ ایس پریس انارکلی لاہور)

---

۱ ترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی الفصاحة والبیان

۲

۳ بخاری کتاب التفسیر التفسیر سورة الفتح باب قوله لیغفرلک اللّٰه ماتقدم

(الخ) میں "افلا احب ان اکون عبدًا شکورا" کے الفاظ ہیں۔

۴ ورهبانية ن ابتدعوها ماكتبنٰها عليهم (الحديد:۲۸)

۵ ترمذی ابواب البرو الصلة باب ماجاء فی النفقة علی البنات والاخوات

۶ تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۵۔ از فرید الدین عطار مطبوعہ ۱۹۹۰ء۔ لاہور

۷ بنی اسرائیل: ۷۳ ۸، ۹، ۱۰ الکوثر: ۲ تا ۴

۱۱ بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الکوثر

۱۲ الفلق: ۱ تا ۶

۱۳ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۴ سیرت ابن هشام جلد ۲ صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۵ مسلم کتاب الجهاد باب غزوة حنين

۱۶

۱۷ سیرت ابن هشام جلد ۴ صفحہ ۸۷۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۸ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۸۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۱۹ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۲۰ سیرت الحلبية جلد ۲ صفحہ ۲۶۷، ۲۶۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۲۱ سیرت ابن هشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء